© rasailojaraid.com

نقد و استدراک

مولانا فراہیؒ کا طریقۂ تفسیر

(۲)

○ مولانا نسیم ظہیر اصلاحی غازی

۳۔ تیسری دفعہ یہ ہے کہ "مولانا کے شاگرد خاص مولانا امین احسن اصلاحی کو اسی تشکیکی ذہن کی وجہ سے اپنی تفسیر میں آثار و احادیث سے استفادہ کی سعادت بہت کم ملی ہے۔"

عرض ہے کہ یہ تاثر بھی محض غلط فہمی یا "تدبر قرآن" کے بغور مطالعہ نہ کرنے کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، ورنہ "فراہی اسکول" کا طریقہ یہ ہے کہ عقائد کی تشریح اور عملی عبادات کی توضیح کے لیے سنت کا اتباع کیا جائے اور حکمت قرآن کی تفہیم کے لیے ذخیرۂ احادیث سے زیادہ سے زیادہ مدد لی جائے۔ یہی طریقہ مولانا اصلاحی نے بھی اپنی تفسیر میں اختیار کیا ہے۔ چنانچہ مقدمہ "تدبر قرآن" میں لکھتے ہیں:

"تفسیر کے ظنی ماخذوں میں سب سے پاکیزہ ذخیرہ ذخیرۂ احادیث ہے۔۔۔ میں نے صرف انہی احادیث تک استفادہ کو محدود نہیں رکھا ہے جو قرآن کی کسی آیت کے تعلق کی صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں بلکہ پورے ذخیرۂ احادیث سے اپنے امکان کی حد تک فائدہ اٹھایا ہے، خاص طور پر حکمت قرآن کے مسائل میں جو مدد مجھے احادیث سے ملی ہے وہ کسی بھی دوسری چیز سے نہیں ملی۔" ؎۱

تاہم قبول حدیث کے باب میں ان کا رویہ بہت زیادہ احتیاط کا ہے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع ۲؎

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرتا پھرے۔

احتیاط کی یہی روش تفسیر کے باب میں صحیح ہے اور اسی کو جمہور علمائے امت نے ہمیشہ اختیار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے صراحت کی ہے کہ "اگر قرآن کی تفسیر قرآن سے نہ ہو سکے تب سنتِ رسولؐ کی طرف رجوع کیا جائے"، وہ لکھتے ہیں،

من اراد تفسیر الکتاب العزیز طلبہ اولاً من القرآن — فان اعیاہ ذلک طلبہ من السنۃ فانہا شارحۃ للقرآن وموضحۃ لہ۔ وقد قال الشافعیؒ کل ما حکم بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فہو مما فہمہ من القرآن ۳؎

قرآن کی تفسیر سب سے پہلے خود قرآن میں ڈھونڈھنی چاہیئے۔ جب قرآن سے اس کی تفسیر نہ ہو سکے تو سنتِ رسول کی طرف رجوع کیا جائے، کیونکہ سنت، قرآن کی شارح اور مفسر ہے، امام شافعیؒ کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے، سب قرآن سے ماخوذ ہے۔

اصول یہ ہے کہ پہلے قرآن کی دلالت، عبارت اور اشارت پر غور کیا جائے اور جب تک قرآن کی تفسیر اور احکام کا استنباط قرآن کے ذریعہ ہو سکے اس وقت تک کسی دوسری چیز کو اس میں راہ نہ دی جائے، اسی منہج کو محقق علماء نے اختیار کیا ہے بالخصوص علمائے احناف نے، چنانچہ شیخ امام ابوزہرہ علمائے احناف کا منہج استدلال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فہم یاخذون بدلالات القرآن ومفہوم عبارتہ واشارتہ ویترکون الاحادیث عند ذلک احتیاطاً فی قبول الروایۃ وترجیحاً لنص قرآنی لا شک فی صدقہ علی روایۃ حدیث محتمل الصدق ۴؎

وہ قرآن کی دلالت، اس کی عبارتوں کے مفہوم اور اس کے اشارات کو اختیار کرتے ہیں اس صورت میں وہ احادیث کو ترک کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ روایت کے قبول کرنے میں احتیاط اور نصِ قرآنی کی جس کے صدق و صحت میں کوئی شک نہیں روایتِ حدیث پر ترجیح دینا ہے جو محتمل صدق ہے اور جس میں کذب کا امکان پایا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شیخ ابو زہرہؒ نے امام ابو حنیفہؒ اور فقہائے عراق کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نصوص قرآنی ہی کو اختیار کرتے ہیں اور موضوعِ آیت سے متعلق آئی ہوئی احادیث کو نظر انداز کر دیتے ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں:

فانك تراهم قد بالغوا في الاخذ بنصوص القرآن ولم يلتفتوا إلى أحاديث واردة في موضوع الآية ٥

تم ان کو پاؤ گے کہ انھوں نے نصوص قرآنی کو اختیار کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اور آیت سے متعلق احادیث پر کوئی توجہ نہیں دی۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ اور فقہاء ظاہر کے علاوہ جملہ فقہا کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عہد صحابہ سے لے کر دور اجتہاد کے آخری زمانہ تک کے تمام فقہائے احادیث آحاد کو ترک، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کی نسبت کو رد کیا ہے، الفاظ یہ ہیں:

والحق انا اذا استثنينا الشافعي واحمد بن حنبل و فقهاء الظاهر الذين جاءوا من بعده نجد الفقهاء جميعا من لدن عصر الصحابة إلى آخر عصر الاجتهاد قد تركوا اخبار احاد وردوا نسبتها إلى الرسول صلوات الله وسلامه عليه لمخالفتها لاصول ثابتة لديهم قد اخذوها بالاستنباط من القرآن او المشهور من الآثار ٦

حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم امام شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ اور فقہاء ظاہر کو مستثنیٰ کر دیں تو عہد صحابہ سے لے کر دور اجتہاد کے آخر زمانہ تک کے تمام فقہا کو پائیں گے کہ انھوں نے احادیث آحاد کو ترک اور رسول اللہ کی طرف ان کی نسبت کو رد کر دیا ہے اس لیے کہ وہ حدیثیں ان کے ان مسلمہ اصولوں کے خلاف تھیں جن کو انھوں نے قرآن مجید یا احادیث مشہورہ سے استنباط کر کے وضع کیا تھا۔

علماء احناف اور دوسرے محققین کے منہج استدلال، طریق استنباط اور طرز تاویل و تفسیر کی مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی مدظلہ، اور "دبستان فراہی" کے دوسرے خوشہ چینیوں کا طریقہ کوئی نیا اور عجیب نہیں بلکہ یہی وہ طریق ہے جس پر ہمیشہ سے علماء و محققین چلتے رہے ہیں، اب اگر اس طرز تفسیر اور طریقہ استدلال کو حدیث سے اعراض یا تشکیکی ذہن کا نتیجہ قرار دیا جائے تو پھر ان اسلاف کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی؟ ویسے تو امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ پر بھی اسی طرز فکر کی بنا پر اپنے عہد میں،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنت سے اعراض کا الزام لگایا جا چکا ہے ؎ اس لیے اگر آج اسی طرزِ فکر کی بنا پر ہم پر بھی یہی الزام لگایا جاتا ہے تو چنداں حیرت کی بات نہیں۔ یہ تو اپنے اپنے ظرف کی بات ہے۔

۴۔ چوتھی دفعہ یہ تھی کہ "پورے ذخیرۂ حدیث میں قرآن مجید کی تفسیر ہے، مگر "فراہی اسکول" کے لوگ اس کو بھی تفسیری روایات پر قیاس کرتے ہیں، اور ذخیرۂ حدیث سے استفادہ نہیں کرتے"

عرض ہے کہ دفعہ ۳ کے تحت جو گفتگو ابھی ختم ہوئی ہے اس میں اس غلط فہمی کی بھی مکمل توضیح ہو گئی ہے تاہم یہ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فراہی اسکول کے لوگ تو پہلے دن سے پورے ذخیرۂ حدیث کو قرآن کی تفسیر سمجھتے ہیں اور ان کا راسخ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی کرتے یا کہتے تھے وہ سب قرآن مجید سے ہی مستنبط و ماخوذ ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے حلقہ میں تفسیر ابن جریرؒ کے مطالعہ پر خاص زور دیا جاتا ہے کیوں کہ یہ تفسیر دراصل صحابہ کرام کے اقوال و آثار کا مجموعہ ہے، اس کے بعد امام رازی کی "تفسیر کبیر" اور علامہ زمخشری کی "الکشاف" سے بھرپور استفادہ کا مشورہ دیا جاتا ہے، اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تفسیر قرآن کے باب میں افراط و تفریط سے بچتے ہوئے کتنی معتدل اور متوازن راہ "مکتبِ فراہی" نے اختیار کی ہے۔

قرآن مجید کے ایک معمولی طالب علم کی حیثیت سے یہاں یہ پوچھنے کو جی چاہتا ہے کہ کیا کسی ایک بھی ایسی تفسیر کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جس میں بے لاگ طور پر، ہر طرح کی جانب داری سے پاک ہو کر، پورے ذخیرۂ حدیث کی روشنی میں قرآن کی تفسیر کی گئی ہو، مجھ جیسے بے مایہ و کم علم کی نظر سے جو تفسیر بھی گزری ہے اس کا رنگ یہی ملا کہ اگر اس کا مصنف حنفی ہے تو اس نے حنفی اصول کی جستجو کی اور اسے فقہ حنفی کی تائید میں استعمال کیا۔ اگر مصنف مالکی ہے تو اس نے مالکی اصولوں کی جستجو کی اور فقہ مالکی کی بنیادیں فراہم کرنے کی کوشش کی، اگر وہ کسی دوسرے مسلک کا پیرو ہے تو اس نے اپنے نظریہ و مسلک کے مطابق تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے۔ غرض ہر مفسر اپنی تفسیر میں یہی ثابت کرتا نظر آتا ہے کہ قرآن سے عین اس کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، آیات قرآنی اور احادیث رسول کا منشا و مدلول رہی ہے۔ جو اس کا مسلک و نظریہ ہے۔ اب تک تو میری نظر سے کوئی ایسی تفسیر نہیں گزری جو عقیدہ و مسلک کے لگاؤ سے بے نیاز ہو کر محض نصوص قرآنی اور ذخیرۂ احادیث میں پھیلی ہوئی تشریحات قرآنی کی روشنی میں لکھی گئی ہو، بلکہ سچ تو یہ ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ خود قدیم علماء ہی نے احادیث نبوی کو 'تفسیری' غیر تفسیری' احکامی وغیر احکامی' تاریخی اور غیر تاریخی وغیرہ مختلف خانوں میں تقسیم کر کے فکر و نظر کے دائرہ کو محدود کر دیا ہے اور تفسیر کے باب میں مخصوص روایات ہی پر اعتماد کرنے کی طرح ڈالی ہے' اس کے برخلاف مولانا فراہی رح اور ان کے تلامذہ تفسیر قرآن کے باب میں نہ تو کسی خاص مسلک وعقیدہ کے پابند ہیں اور نہ ہی اس میں اپنے کسی نظریہ وفکر کو کوئی راہ دی' بلکہ ان کا نقطۂ نظر ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ "علم وعمل کی ہر مشکل میں سب سے پہلے قرآن کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے وہ ہماری رہنمائی کرے گا اگر اس کا کوئی اشارہ ہم پر مخفی رہ جائے تو اس ذات گرامی ؐ کے اعمال واقوال کی طرف رجوع کریں جس کی مقدس سیرت اس کی عملی شرح وتفسیر ہے۔ اگر یہاں بھی کوئی ابہام رہ جائے تو اس سیرت پاک کے مقدس حاملین یعنی صحابہ کرام رضؓ تابعین عظام رح اور ائمہ انام رح کے اقوال واعمال میں اپنے دل کی تشفی ڈھونڈھیں' کیوں کہ انھوں نے جو کچھ کہا اور کیا اسی نور الٰہی اور نور نبوت سے ماخوذ ہے۔"

۵۔ پانچویں دفعہ یہ تھی کہ "یہ لوگ قصور فہم کی بنا پر ذخیرۂ حدیث سے استفادہ کرنے کے بجائے جاہلی دور کے مشکوک کلام سے استفادہ کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔"

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ قرآن کریم جس قوم کی زبان میں نازل ہوا' گو وہ امی اور ناخواندہ تھی' مگر قلب وزبان سے محروم نہ تھی' اس کے اسالیب کلام اپنی گوناگونی اور بوقلمونی میں بے نظیر تھے۔ اس کا انداز تکلم اور طرز تخاطب تنوع وتفنن کے باوصف اسرار وحکم سے پُر تھا۔ اس میں حقیقت ومجاز' تصریح وکنایہ' تشبیہ واستعارہ اور ایجاز واطناب جیسے جملہ اوصاف سخن شامل تھے اور سنت ربانی کے مطابق قرآن مجید معجزانہ حد تک فصیح وبلیغ عربی زبان میں اترا' اس میں وہی اسلوب وانداز اختیار کیا گیا جو اس وقت عربوں میں رائج تھا۔ چنانچہ حقیقت ومجاز' تصریح وکنایہ' تشبیہ واستعارہ اور ایجاز واطناب جملہ انواع سخن کی خوبیاں اس کے اندر سموئی ہوئی ہیں۔ اس لیے کلام عرب سے بے نیاز ہو کر قرآن کے اسلوب بیان' انداز تخاطب' دلالت الفاظ اور رموز کلام کو سمجھنا کسی طرح ممکن نہیں۔ اس کے لیے کلام عرب کا ذوق آشنا اور اس کی خصوصیات سے واقف ہونا ضروری ہے' جو لوگ اس بنیادی نکتہ سے صرف نظر کر کے قرآن کی تفسیر کرنا چاہیں گے' ان کے لیے فہم قرآن کا در فیض کبھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

باز نہیں ہو سکتا، اس بنیادی نکتہ کو نظر انداز کر دینے کے نتیجے میں تفسیر قرآن اور اس سے استنباط احکام میں غیر ضروری اختلافات واقع ہوئے ہیں، یہاں تک کہ بعض احادیث نبوی کے سمجھنے میں بھی غلطی کی گئی۔ اس لیے کہ زبان کے مزاج اور اس کی خصوصیات کا لحاظ کیے بغیر، اپنے عجمی ذوق و مزاج کے مطابق تشریح و تعبیر کی گئی۔ اسی لیے تمام متقدمین و متاخرین علمائے تفسیر نے مفسر قرآن کے لیے لغت عرب سے نہ صرف واقفیت بلکہ لسانی خصوصیات پر مکمل عبور حاصل کرنا بھی ضروری قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت امام مالکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لا أوتی برجل غیر عالم بلغة العرب یفسر کتاب اللہ الا جعلته نکالا ۸؎	میرے پاس جو بھی ایسا مفسر لایا جائے گا جو لغت عرب سے بے بہرہ ہونے کے باوجود قرآن کی تفسیر کرتا ہوگا، میں اسے عبرت ناک سزا دوں گا۔

قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے منبر سے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

علیکم بدیوانکم لا تضلوا۔ قالوا ما دیواننا؟ قال شعر الجاھلیة فان فیه تفسیر کتابکم ومعانی کلامکم ۹؎	تم لوگ اپنے دیوان کی حفاظت کرو گمراہی سے بچ جاؤ گے، لوگوں نے پوچھا ہمارا دیوان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، دور جاہلیت کے اشعار، ان میں تمھاری کتاب کی تفسیر اور تمھارے کلام کے معانی موجود ہیں۔

علامہ سیوطیؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے:

اذا سألتم عن شئ من غریب القرآن فالتمسوہ فی الشعر فان الشعر دیوان العرب ۱۰؎	جب تم کو قرآن میں کوئی مشکل پیش آئے تو اسے جاہلی اشعار میں تلاش کرو اس لیے کہ وہ عربوں کا دیوان ہے۔

حضرت عکرمہؓ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہی یہ قول بھی نقل کیا ہے۔

ماذا اعیاکم تفسیر آیة من کتاب اللہ فاطلبوہ فی الشعر فانه دیوان العرب ۱۱؎	جب تم سے قرآن کی کسی آیت کی تفسیر نہ ہو سکے تو اس کو کلام عرب میں تلاش کرو۔ اس لیے کہ وہ عربوں کا دیوان ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کلام عرب سے استدلال اور اس کی طرف مراجعت فراہی اسکول کی کوئی اختراع نہیں ہے۔ بلکہ صدر اول سے لے کر بعد کے ادوار تک، اسے ایک مسلّمہ اصول تفسیر کی حیثیت حاصل رہی ہے جو لوگ "فراہی اسکول" کے اس طرز استدلال پر معترض ہیں دراصل وہ خود ایک مسلّمہ اصول تفسیر سے بے خبر ہیں اور یہ بات بجائے خود ان کے اپنے قصور فہم کا نتیجہ ہے۔

جہاں تک جاہلی کلام کی صحت اور استفادہ کا سوال ہے تو عرض ہے کہ وہ اس قدر مشکوک کبھی نہیں جتنا اس دور میں اس کے خلاف ہنگامہ کیا جا رہا ہے۔ "مسئلہ انتحال" تو مستشرقین کی ایک سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے، دراصل اسلام کو رسوا کرنے اور اسے ایک ناقابل اعتماد دین ٹھہرانے کے لیے علم و تحقیق کے نام پر قرآن و حدیث، فقہ اور تاریخ اسلام پر جو اعتراضات وہ کرتے رہے ہیں اسی کی ایک کڑی یہ "مسئلہ انتحال" بھی ہے۔ جس کا مقصد فہم قرآن کی راہ مسدود کرنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

دور تدوین میں گرچہ جھوٹے اور فرضی اشعار پیش کرنے والوں کی ایک پوری جماعت تھی، مگر اس وقت ایسے رواۃ بھی موجود تھے جن کی ثقاہت وعدالت اور حفظ و ضبط کی صفت سب کے نزدیک مسلّم تھی۔ مثلاً رواۃ کوفہ میں مفضل ضبّی اور رواۃ بصرہ میں اصمعی کوفی اور ان کے تلامذہ وغیرہ، انھوں نے کلام جاہلی میں غث وسمین میں امتیاز کے لیے اساسی کسوٹیاں قائم کیں اور انتہائی تحقیق و جستجو کے بعد غیر منحول اور قابل اعتماد اشعار کے متعدد مجموعے مرتب کر دیئے، جس طرح احادیث نبوی کے ذخیرہ میں وضاع و کذابین نے بہت سی موضوع اور جھوٹی حدیثیں شامل کر دیں، مگر علمائے محققین نے صحیح و سقیم کی تمیز کر لی اور احادیث صحیحہ کے متعدد مستند مجموعے مرتب کر دیئے۔ ٹھیک یہی حال کلام جاہلی کا ہے کہ اس میں بھی فساد کی کوشش کی گئی، مگر ماہر اور محققین رواۃ نے اس کا مقابلہ کیا اور مصنوع و منحول کلام کو غیر مصنوع و منحول کلام سے اس طرح الگ کر لیا کہ سند رواۃ اور نفس متن، کسی میں بھی تحریف و اضافہ کی گنجائش باقی نہیں رہی اور خالص اور منحول کلام میں امتیاز کرنا آسان ہو گیا، چنانچہ مشہور ناقد حدیث یحییٰ بن سعید القطان نے علماء شعر کو علمائے حدیث پر فوقیت دی ہے۔ علامہ ابن عبدالسلام جمحی ان کا بیان نقل کرتے ہیں:

حدثنی یحیی بن سعید القطان قال: رواۃ الشعر اعقل

یحییٰ بن سعید القطان نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ رواۃ شعر، رواۃ حدیث سے زیادہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

من رواة الحديث لان رواة الحديث يردون مصنوعا كثيرا ورواة الشعر ساعة يفشدون المصنوع ينتقدونه ويقولون هذا مصنوع [۱۳]

صاحب عقل وبصیرت ہیں، اس لیے کہ رواۃ حدیث اکثر موضوع حدیثیں بیان کرتے ہیں جبکہ رواۃ شعر اگر کبھی موضوع شعر پڑھتے ہیں تو اس پر نقد بھی کرتے ہیں اور یہ اعلان کرتے ہیں کہ یہ شعر موضوع ہے۔

مستشرقین اور موجودہ دور کے طٰہٰ حسین جیسے متجددین کی فتنہ سامانیوں نے کلام جاہلی کو بہت سے مسلمان علماء کی نظروں میں بھی مشکوک بنا دیا ہے، حالانکہ خود بعض مستشرقین اور محققین علماء نے ان کی جملہ فتنہ سامانیوں کا قلع قمع کر دیا ہے۔ تفصیل کے لیے ناصر الدین الاسد کی "مصادر الشعر الجاہلی" ڈاکٹر شوقی ضیف کی "العصر الجاہلی" ڈاکٹر یحیی جبوری کی "الشعر الجاہلی" اور انہی کے قلم سے مستشرق عالم چارلس جیمس لیال (CHARLES JAMES LYALL) کے مضمون کا عربی ترجمہ "اصول الشعر العربی" (جو انتحال سے متعلق مارگولیتھ (D. S. MAR-GOLIOUTH) کے مضامین کے رد میں ہے) کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

رضی الاسلام صاحب نے مولانا فراہیؒ کی کتاب "التکمیل فی اصول التاویل" کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ایک جگہ مولانا نے ان لوگوں پر تنقید کی ہے جو براہ راست معانی قرآن میں تدبر کی کوشش نہیں کرتے بلکہ بے خوف وخطر قرآن کی تفسیر احادیث سے کرنے لگتے ہیں۔"

اس پر یہ ادارتی نوٹ ہے کہ "اسلاف سب سے پہلے قرآن میں غور کرکے بعد حدیث نبویؐ اور آثار صحابہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔" گویا یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی کہ مولانا کی اس تنقید کا ہدف جملہ اسلاف ہیں۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ مولانا کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی تنقید کا نشانہ صرف وہ حضرات ہیں جو تدبر فی القرآن کے سرے سے قائل ہی نہیں، جن کے نزدیک منقول وماثورہ تفسیر کے علاوہ کوئی دوسری تفسیر جائز نہیں، چنانچہ علامہ راغب اصفہانی اس طبقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فقوم تشددوا في ذلك فلم يجرأوا على تفسير من القرآن ولم يجوزاله بغيرهم وان كان عالما اديبا متسعا في

علماء کی ایک جماعت تفسیر قرآن کے باب میں تشدد سے کام لیتی ہے، نہ خود تفسیر قرآن کی جرأت کرتی ہے اور نہ کسی دوسرے کو اس کی اجازت دیتی ہے، خواہ وہ زبردست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معرفة الادلة والفقه والنحو والاخبار والآثار وانما له ان ينتهي إلى ما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم وعن الذين شهدوا التنزيل من الصحابة رضـ والذين اخذوا عنهم من التابعين ؎۱۲

عالم، ادیب، فقیہ، محدث، مؤرخ اور لغوی و نحوی کیوں نہ ہو، ان کا زاویۂ نگاہ یہ ہے کہ تفسیر کے سلسلہ میں احادیث نبوی اور آثار صحابہ و تابعین کی جانب رجوع کرنا چاہیے۔ جو نزول قرآن کے شاہد عدل ہیں۔

ایسے علماء کا ایک گروہ ہمیشہ رہا ہے اور آج بھی بہت سے علماء تحقیق و جستجو کے بجائے اسی میں عافیت سمجھتے ہیں بلکہ بہتوں کے نزدیک تو جلالین، بیضاوی اور بیان القرآن کے باہر کی کوئی تفسیر قابل قبول نہیں ہوتی۔

یہی حال دوسرے حواشی کا بھی ہے، یعنی آگے کی عبارت سے بات بالکل صاف ہو رہی ہے مگر نہ معلوم کیوں انتہائی عجلت میں ابتدائی جملوں پر نظر پڑتے ہی حاشیہ لکھ ڈالا گیا اور آگے کی عبارت پر غور کرنے کی زحمت نہیں کی گئی، اگر بالفرض مان ہی لیا جائے کہ "الرشاد" میں شائع شدہ اس مضمون میں مولانا کی بعض عبارتیں قابل اعتراض ہیں تو یہ کیسے باور کر لیا گیا کہ حقیقتہً مولانا کا خیال بھی وہی ہے، جبکہ مولانا کی وہ کتاب جس کا تعارف اس مضمون میں کرایا گیا ہے نامکمل اور غیر مرتب ہے، اس کی حیثیت تو صرف ایک نوٹ اور یادداشت کی سی ہے۔ پھر یہاں یہ بات بھی مدنظر رہنی چاہیئے تھی کہ صاحب مضمون نے کتاب کے اصل مسودے سے براہ راست استفادہ نہیں کیا ہے بلکہ ایک دوسرے اہل قلم کے نقل کردہ اقتباسات کا ترجمہ کر دیا ہے، اس لیے عین امکان ہے کہ اقتباس لینے اور اس کے نقل کرنے میں تسامح اور غلطی ہوئی ہو۔ اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ان اقتباسات کا ترجمہ کرنے میں مترجم نے صحیح صحیح ترجمانی بھی کی ہو۔ اس وقت ہمارے سامنے نہ اصل کتاب کا مسودہ ہے اور نہ اقتباسات کہ اس پر کچھ گفتگو ہو سکے، جب صورت حال یہ ہے تو احتیاط کا تقاضا تھا کہ اس پر ایسا سخت ریمارک سے احتراز کیا جاتا، جس سے خواہ مخواہ ایک طبقہ کے بارے میں انتہائی ناروا قسم کی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہو۔

مرتب "الرشاد" جناب مولانا حبیب اللہ صاحب ندوی کا تعلق اصلاً "دبستان شبلی" سے ہے۔ اس لیے مولانا فراہی علیہ الرحمہ کی شخصیت ان کے لیے کچھ نئی اور اجنبی نہیں ہے، علامہ شبلی نعمانیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کا مولانا فراہیؒ سے جو علمی ربط و تعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہا ہے اور جس طرح ان دونوں شخصیتوں نے مولانا فراہیؒ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی ہے اور جو خراجِ تحسین ان دونوں حضرات نے اس بطلِ عظیم کو پیش کیا ہے، اس کا علم موصوف کو ہم سے زیادہ ہے، اس لیے بجا طور پر توقع تھی کہ وہ اپنی ذمہ داری محسوس کرتے اور ایسے غیر سنجیدہ اور غیر ذمہ دارانہ خیالات کی اشاعت سے "الرشاد" کے صفحات کی حفاظت کرتے، مگر افسوس کہ ہماری توقع پوری نہیں ہوئی۔ (ختم شد)

حواشی ومراجع

ے۱ مولانا امین احسن اصلاحی۔ تدبر قرآن۔ ج ۱ ص۳۰ فاران فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۸۵ء جدید پریس لاہور۔

ے۲ ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم۔ الصحیح المسلم ۸/۱، سیما آفسیٹ پریس جامع مسجد دہلی۔

ے۳ علامہ سیوطی۔ الاتقان فی علوم القرآن ۲۲۵/۲ مطبع مصطفی البابی الحلبی مصر، چوتھا ایڈیشن ۱۹۷۸ء

ے۴ الشیخ محمد ابوزہرہ۔ ابوحنیفہ حیاتہٗ وعصرہ ص۲۴۸ طبع ثانی دارالفکر العربی سنہ ندارد

ے۵ حوالہ سابق ص۲۶

ے۶ حوالہ سابق ص۲۸۳

ے۷ امین احسن اصلاحی۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل ص۷ فاران فاؤنڈیشن۔ المطبعۃ العربیۃ۔

ے۸ محمد بن حسین الذہبی۔ التفسیر والمفسرون ۲۷۴/۱ داراحیاء التراث العربی بیروت۔

ے۹ قاضی بیضاوی۔ تفسیر، سورہ نحل آیت ۴۶

ے۱۰ السیوطی۔ المزہر فی علوم اللغۃ ۳۰۲/۲ مطبعۃ عیسٰی البابی الحلبی مصر سنہ و ایڈیشن ندارد

ے۱۱ تبریزی۔ شرح دیوان حماسہ ۳/۱

ے۱۲ اسماعیل بن القاسم القالی البغدادی۔ ذیل الامالی والنوادر ص۱۰۵ دارالآفاق الجدیدہ بیروت ۱۴۰۰ھ ۱۹۸۰ء

ے۱۳ سب سے پہلے ایک مستشرق عالم مارگولیتھ (D. S. MARGOLIOUTH) نے اپنے ایک تفصیلی مضمون "اصول الشعر العربی" کے ذریعہ ۱۹۲۵ء میں جاہلی اشعار کے بارے میں شکوک وشبہات کا اظہار کرکے جاہلی دور کے پورے شعری ذخیرہ کو ناقابلِ اعتماد قرار دیا لیکن اس کے مقابلہ میں مستشرقین کی ہی ایک جماعت اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے مدلل مقالات کے ذریعہ اس کے تمام دلائل ومفروضات کو باطل قرار دے کر جاہلی کلام کی صحت کو ثابت کیا۔ ان میں سرفہرست چارلیس جیمس لیال (CHARLES JAMES LYALL) اور بروکلمان وغیرہ کے نام آتے ہیں۔

ے۱۴ محمد بن حسین الذہبی۔ التفسیر والمفسرون ۲۵۶/۱ داراحیاء التراث العربی بیروت

© rasailojaraid.com